قرن اول میں قرآن مجید مسلمانوں کے درمیان آخری فیصلہ کرنے والی کتاب تھی جس کے آگے عامی اور دانشور علماء اورعوام سب اپنا سر تسلیم خم کرتے تھے، یہ بات تسلیم کی جاتی تھی کہ خلیفہ وقت کی قرآن فہمی پر ایک بدوی عورت سوالیہ نشان لگا سکتی ہے، مسلم معاشرہ میں بدوی عورت کا یہ علامتی کردار جب تک زندہ رہا عورت کے سماجی رول یا اس کے حقوق پر مصالح امت کے نام سے روک لگایا جانا ممکن نہ ہوا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم خواتین قرآن کے تازہ بہ تازہ مطالعہ کی اس روایت کو زندہ کریں جس کے زیر اثر ایک اعرابیہ حضرت عمر کی قرآن فہمی پر سوالیہ نشان لگا سکتی ہے، کہ جب تک مسلم معاشرے سے چپٹی ناک والی عورت غائب رہے گی نہ تو عورتوں کو ان کا گم شدہ سماجی رول واپس مل سکتا ہے اور نہ ہی مسلم معاشرے کو اس کی نصف مفلوج شدہ توانائی واپس مل سکتی ہے۔

کہاں گئی وہ چپٹی ناک والی عورت؟

مسلم معاشرے میں عورت ہنوز ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ اہل تقویٰ کو اندیشہ ہے کہ اگر اسے ذرا سی ڈھیل دی گئی یا اجتماعی زندگی میں اسے داخل ہونے کا موقع دیا گیا تو پھر فتنے کے نئے نئے دروازے کھل جائیں گے، اخلاقیات کی حدیں پامال ہو جائیں گی اور پھر نہ جانے کیا کیا کچھ ہوگا جس کا صحیح تصور تو یقیناً اہل تقویٰ کی بصیرت افروز آنکھیں ہی کر سکتی ہیں، البتہ اس عہد میں جب اسلام اور مسلمانوں پر بدترین شکست اور ذلت کا عذاب طاری ہے اور اس صورت حال سے بظاہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں دکھتا، تاریخ کے اس نازک موڑ پر مضطرب فکر مند اور ذی فہم مسلم خواتین سوالی ہیں کہ صدیوں کی مردانہ قیادت نے مسلم معاشرے کو اگر زوال کی اس صورت حال سے دوچار کر دیا ہے تو آخر کب تک محض فتنے کے خوف سے وہ خود کو عضو معطل بنائے رکھیں اور یہ کہ کیا ایسا کرنا اسلام اور مسلمانوں کے مفاد سے پہلوتہی اور مجرمانہ تساہل نہیں قرار پائے گا، یہ وہ سوال ہے جو اب ان روایتی معاشروں میں بھی پوری شدت کے ساتھ سر اٹھا رہا ہے جہاں اب سے چند سال پہلے تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ عورت کو سماجی منظر نامے سے بے دخل کرنے کے باوجود اسلامی زندگی کی بساط اسی تزک و احتشام کے ساتھ سجائی جا سکتی ہے جو قرنِ اول کے مسلم معاشرے کا خاصہ ہوا کرتی تھی، لیکن اب ان روایتی معاشروں میں یہ احساس عام ہوتا جا رہا ہے کہ بدوی ثقافت اور سماجی رسوم میں یہ قوت نہیں کہ وہ اسلام جیسے انقلاب انگیز تصور زندگی کا متبادل بن سکے۔

سعودی عرب جہاں وہابی علماء نے کتاب و سنت سے کہیں زیادہ سماجی مصالح کے پیش نظر عورت کو سماجی رول سے بے دخل کرنے، اسے مکمل ملفوف کرنے حتیٰ کہ اس کے نام اور شناخت کو پوشیدہ رکھنے میں ہی عافیت جانی تھی وہاں کتاب و سنت کا علم رکھنے والی ذی شعور مسلم خواتین اس سوال کو پوری شدت سے اٹھا رہی ہیں کہ آخر کب تک عورتوں کو نئی مسلم تحریک میں بھرپور شمولیت اور سماجی منظر نامے میں شرکت سے روکا جاتا رہے گا، سعودی پریس میں یہ سوال بھی اٹھایا جاتا رہا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عورت کو ایک الگ شناخت کے ساتھ پیدا کیا ہے تو کتاب و سنت کے علمبردار علماء اسے علیحدہ مسلم شخصیت کی حیثیت سے قبول کرنے کے بجائے اسے عزیز و اقارب یا محرم مردوں کے فقط حاشیہ بنے رہنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ آخر علماء کے پاس اس بات کے لئے کیا دلیل ہے کہ وہ عورتوں کو سیاسی اور سماجی رول سے محروم کر دیں۔

مسلم معاشرے کی موجودہ تصویر جہاں عورت کو دین کے حوالے سے بعض لوگ گھروں میں محبوس کر دینا چاہتے ہیں یا بغیر کسی ثابت شدہ جرم کے عورتوں کو ان کے گھروں میں عمر قید کی سزا دینے کے طالب ہیں انہیں یہ جاننا چاہئے کہ ہماری یہ خودساختہ دینی تصویر قرآن مجید کی اس دعوتِ انقلاب کے یکسر برعکس ہے جس میں مرد و عورت کو اس کی علیحدہ شناخت کے ساتھ برابر کا رکن تسلیم کیا گیا ہے۔﴿والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض﴾ (التوبة:٦٧) یعنی اہل ایمان مرد و عورت نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، ایسا نہیں ہے کہ مرد تو تقویٰ کی فضا عام کرتے ہوں اور عورتیں فحاشی اور بے حیائی کے ذریعے معاشرے کو تباہ کرنے پر تلی بیٹھی ہوں، عورت کے بارے میں اس طرح کے متعصّبانہ خیالات اسلامی ثقافت کی نہیں بلکہ راہبانہ مسیحی اور بودھ ثقافت کی پیداوار ہیں۔ اہل کلیسا مدت تک اس بارے میں بحث کرتے رہے کہ عورت کو روح ہوتی بھی ہے یا نہیں کیوں کہ ان کے یہاں آدم کی لغزشوں کا بنیادی محرک حوا کو قرار دینے کا خیال عام تھا۔ اور اسی مسیحی تصور حیات میں یہ بات بھی عام طور پر تسلیم کی جاتی تھی کہ عورت مرد کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے پھر اسے علیحدہ مکمل وجود کی حیثیت سے کیسے تسلیم کیا جاسکتا تھا، اس کے برعکس قرآن عورت اور مرد کو شخصیت کی ایک ہی سطح پر مکمل علیحدہ وجود کے طور پر تسلیم کرتا ہے ﴿خلقكم من نفس واحدة﴾ مرد ہو یا عورت دونوں نہ صرف یہ کہ یہاں اپنے اپنے عمل کے لئے علیحدہ علیحدہ ذمہ دار ہیں بلکہ دونوں اس صلاحیت سے بھی متصف ہیں کہ وہ تقویٰ کے راستے پر ایک دوسرے سے آگے نکل جائیں، کسی کا محض مرد یا عورت ہونا اس کی تقویٰ شعاری میں مخل نہیں ہوسکتا ﴿ان أكرمكم عند الله أتقاكم﴾۔ دل اگر مسیحائی کا متلاشی ہو تو عورت ہو کر بھی ملکہ سبا نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنے تمام اہالیان ملک کے لئے بندگیٔ رب کا وسیلہ بن جاتی ہے، اس کے برعکس فرعون و نمرود کا مرد ہونا بھی اسے کفر کی ذلت و رسوائی سے نہیں بچا سکتا۔

مسلم معاشرے میں عورت کے حاشیہ پر آجانے یا اسے غیر قرآنی اور غیر اسلامی پردے کے نام پر سماجی زندگی سے بے دخل کر دینے سے نہ صرف یہ کہ مسلم معاشرے کی آدھی قوت معطل ہوگئی بلکہ جن اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کا باہم رفیق ہونا چاہیئے وہ ایک دوسرے کے متحارب ہوگئے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے برسر منبر سماجی مصالح کے پیش نظر یہ فیصلہ لینا چاہا کہ مہر کی رقم اتنی کر دی جائے جسے عام آدمی بآسانی ادا کر سکے تو ان کے اس فیصلہ کو ایک اعرابی عورت نے چیلنج کر دیا، وہ کوئی معروف صاحب علم عورت نہیں تھی تاریخ کی کتابوں میں صرف یہ لکھا ہے کہ وہ ایک چپٹی ناک والی عورت تھی، اس کا کہنا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں مہر کے حوالے سے قنطار من الفضة والذهب کا تذکرہ کیا ہے تو اے عمرؓ تمہیں اس بات کا حق کہاں سے حاصل ہوگیا کہ تم اس حق سے عورتوں کو محروم کر دو جسے اللہ نے ہمارے لئے روا رکھا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس قرآنی دلیل کے آگے حضرت عمرؓ نے اپنے سوچے سمجھے فیصلے کو فی الفور واپس لے لیا اور اس بات کا برسر مجلس اعتراف بھی کیا کہ عمر سے غلطی ہوئی

جبکہ ایک عورت بات کو پا گئی،قرن اول میں قرآن مجید مسلمانوں کے درمیان آخری فیصلہ کرنے والی کتاب تھی جس کے آگے عامی اور دانشور علماء اور عوام سب اپنا سر تسلیم خم کرتے تھے، یہ بات تسلیم کی جاتی تھی کہ خلیفہ وقت کی قرآن فہمی پر ایک بدوی عورت سوالیہ نشان لگا سکتی ہے، مسلم معاشرہ میں بدوی عورت کا یہ علامتی کردار جب تک زندہ رہا عورت کے سماجی رول یا اس کے حقوق پر مصالح امت کے نام سے روک لگایا جانا ممکن نہ ہوا۔قرن اول کے مسلم معاشرے میں حضرت عائشہؓ کی ذات ایک عالمہ اور مفکرہ کی حیثیت سے تو خیر جہاں خصوصی امتیاز کی حامل تھی وہیں مدینہ میں ایسی صاحب رائے مسلم خواتین بھی موجود تھیں جن سے حضرت عمرؓ نے خلیفہ ثالث کے انتخاب کے لئے پینل بناتے وقت مشورہ طلب کرنا ضروری جانا۔ پھر آج اگر کچھ لوگ دین کے حوالے سے عورتوں کو الکشن کے عمل سے دور رکھنے، ان کی نمائندگی یا حق رائے دہندگی کے سلسلہ میں شبہات کے شکار ہوں تو ان کے بارے میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہماری تاریخ اور اس قرآنی ثقافت سے نا آشنا ہیں جن کے سطحی حوالوں کے بغیر ان کی کوئی گفتگو مکمل نہیں ہوتی، علماء سے اپنی حق تلفی کی شکایت کے بجائے ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم خواتین قرآن کے تازہ بہ تازہ مطالعہ کی اس روایت کو زندہ کریں جس کے زیر اثر ایک اعرابیہ حضرت عمر کی قرآن فہمی پر سوالیہ نشان لگا سکتی ہے، کہ جب تک مسلم معاشرے سے چپٹی ناک والی عورت غائب رہے گی نہ تو عورتوں کو ان کا گم شدہ سماجی رول واپس مل سکتا ہے اور نہ ہی مسلم معاشرے کو اس کی نصف مفلوج شدہ توانائی واپس مل سکتی ہے۔